بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دل کی زندگی ہو یا امت کی زندگی، قرآن مجید سے وابستہ ہے۔ صرف وہی صحیح راستہ بتاتا ہے، نور بخشتا ہے اور شفا عطا کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آج بھی ہمارے لیے دنیا میں ترقی و سربلندی کا کوئی نسخہ کیمیا ہے تو قرآن ہے، آخرت میں نجات کی کوئی سبیل ہے تو قرآن میں ہے۔
آج بھی مسلمان پر قرآن کا وہی حق ہے جو چودہ سو سال پہلے تھا: اسے سنیں اور سنائیں، سمجھیں اور سمجھائیں، عمل کریں اور عمل کی طرف بلائیں، اس کو غالب کرنے کے لیے جہاد کریں۔ آج بھی قرآن ان کو وہی کچھ عطا کرے گا، جو چودہ سو سال پیشتر کیا تھا: دلوں کی نرمی اور گداز، آنکھوں میں نمی اور بصیرت، علم و حکمت کے گوہر تاب دار، زندگی بسر کرنے کا سیدھا، آسان اور روشن راستہ، زمین میں علو و خلافت، آخرت میں مغفرت اور جنت۔

مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ میرے پاس نہ وہ علم ہے نہ تقویٰ اور نہ عمل کہ میں درسِ قرآن کا منصب سنبھالنے کی جسارت کروں۔ نہ یہ کہ جو کچھ کبھی کہا ہے، اسے کتابی صورت میں شائع کروں۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ میرے اوپر فرض ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی نعمت جتنی بھی عطا کی ہے، میں اسے سناؤں، بیان کروں، اور اس کی طرف بلاؤں۔ اس لیے کہ جس نے کتاب دی ہے، اس نے یہ عہد بھی لیا ہے کہ تم اسے بیان بھی کرو گے۔ اور جو اس عہد کو پورا نہ کریں اور اس کتاب کو چھپا کر بیٹھ جائیں، انھیں اس نے اپنی، فرشتوں کی، اور سارے انسانوں کی لعنت کی وعید سنائی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ بلغوا عنی و لو آیۃ۔ اللہ کے عہد کا ایفا اور اسی ارشادِ نبویؐ کی تعمیل ہی میں، یہ جرأت کرتا ہوں کہ اپنے

علم و دانست کی حد تک' قرآن کا پیغام سناؤں. اسی کوشش کا نتیجہ یہ درس ہے جو پیشِ خدمت ہے.

ان دروس میں آپ صرف و نحو کی گتھیاں نہیں پائیں گے' نہ شانِ نزول کی روایات' نہ فقہ و کلام کے مسائل و مباحث اور نہ منطقی استدلال' ان کا مقصد صرف ابلاغِ پیغام اور تذکیر ہے. دلوں کی زندگی کا سامان اور دعوتِ عمل ہے. کم علمی اور کم مایگی کے باوجود وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ پر یقین اس کی بنیاد ہے. دل کی صدا یہی ہے: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

قرآن پیغام ہے دعوت اور جہاد کا' مخلوقِ خدا کو صراطِ مستقیم پر چلانے کی جدوجہد کرنے کا اور رب سے ملاقات کے وقت اس کی رضا اور جنت کی آرزو کا.

یہ راہ آسان اور روشن تو ہے مگر پُرخطر بھی ہے. اس راہ پر چلنے کے لیے جو انسان مطلوب ہے' وہ ہم سب بن سکتے ہیں. لیکن بننے کے لیے تزکیہ و تربیت کی ضرورت ہے. اس راہ کے امام اپنے حبیب اور رسول' محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کھڑا کرتے ہی' اپنی تربیت اور تزکیہ کے لیے جو زادِ راہ تھمایا ہے' وہ نماز' قیامِ لیل' تلاوتِ قرآن' دعوت الی اللہ' ذکر و اخلاص' صبر' اخلاقِ حسنہ اور استغفار جیسے بنیادی اعمال پر مشتمل ہے. یہی زادِ راہ آپ کے لیے دعوت و جہاد کی راہ کا اصل سرمایہ تھا' اور یہی دنیا و آخرت میں کامیابی کا ضامن بھی ہے.

سورہ مزمل کی ان چند آیات (۱-۱۱) میں تربیت کی اس پہلی منزل کا بیان ہے. میں نے اس کتابچے میں ان آیات میں جو تربیت کے اولین کورس کو بیان کیا گیا ہے' وہی آپ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے.

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے' میری کسی بات کو میرے خلاف حجت نہ بنائے اور لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کے زمرے میں شامل ہونے سے بچالے:

میرے لیے اصل حاصل قارئین کی داد و تحسین نہیں' بلکہ عند اللہ قبولیت ہے' جس کا ایک ذریعہ آپ کا عمل اور میرے لیے آپ کی دعا ہے. اس لیے میری درخواست ہے کہ اگر آپ اس تحریر کو اپنے لیے نافع پائیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میرا خاتمہ ایمان پر کرے اور مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے.

خرم مراد

لاہور

۷ رمضان المبارک ۱۳۱۵ — ۱۸ فروری ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تربیت کی پہلی منزل

شانِ نزول

آغازِ وحی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے اتر کے واپس حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے' اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کا پیغامِ الٰہی ساتھ لائے' تو آپؐ کا دل کانپ رہا تھا. جو پندرہ سال سے رفیقۂ حیات تھیں' آتے ہی ان سے فرمایا:

زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ (مجھے چادر اُڑھا دو! مجھے چادر اُڑھا دو!)

انہوں نے آپؐ کو چادر اڑھادی. کچھ دل کو قرار آیا تو انہیں سارا ماجرا سنایا' پھر فرمایا:

لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ (مجھے اپنی جان کا ڈر ہے)

بہت قریب سے دیکھنے والی بیوی خوب جانتی تھیں کہ آپؐ کا دامن کن اخلاقی دولتوں سے مالا مال ہے' چناں چہ انہوں نے تسلی اور سہارا دینے کے لیے' یہی دامنِ پاک آپؐ کو اُڑھا دیا اور فرمایا. "نہیں' ہرگز نہیں! اللہ آپؐ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا. آپؐ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں' سچ بولتے ہیں' بے سہارا اور معذور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' محروموں کے لیے

کماتے ہیں، مہمانوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں، اور حق کے معاملے میں جو بن پڑتا ہے، اس میں مدد کرتے ہیں۔" (بخاری)

جان کا ڈر کیوں؟

قلبِ مبارک پر نزولِ کتاب ہوتے ہی حضورؐ کیوں کانپ اٹھے، اور آپ کو اپنی جان کا ڈر کیوں لگا؟ یہ بڑا اہم اور نازک سوال ہے۔ لیکن اس سوال کا قطعی جواب ممکن نہیں، میرے علم کی حد تک اس راز کا سراغ قرآن و حدیث میں واضح طور پر نہیں ملتا۔ کیا اس لیے کہ جبریلؑ کو دیکھا جو شدید القویٰ اور امین تھے؟ اس لیے کہ انہوں نے آپ کو پکڑ کر خوب بھینچا؟ یا اس لیے کہ یہ ایک بالکل نیا اور انوکھا مشاہدہ تھا جس نے ہیبت طاری کر دی؟ اس وجہ سے ہوا تو کوئی تعجب کی بات نہیں، کہ رسولؐ پر وہ سارے اثرات پڑ سکتے ہیں جو ایک بشر پر پڑتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی عصا کو اژدھا بنتے دیکھا تھا تو خوف زدہ ہو گئے تھے۔ حضورؐ نے بھی (بخاری و مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت کے مطابق) فرمایا ہے کہ میں نے فرشتے کو دیکھا تو رعب کے مارے زمین پر گر پڑا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ جسدِ خاکی میں مکین دل نے اس ذات سے کلام کیا جو لامکان و لامحدود ہے تو اسے لرز ہی جانا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اس کلام کی عظمت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ "اگر یہ قرآن ہم نے کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی خشیت سے پست ہو جاتا اور پھٹ جاتا۔" چنانچہ قلبِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کانپ اٹھا تو کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

لیکن "جان کا ڈر" ہوا تو کیا اس کا سبب اس مشاہدہ و کلام کے سوا کچھ اور بھی تھا؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رسالت اور دعوت و جہاد کا عظیم و گراں بار کام تھا، اس کے جاں گسل اور کٹھن مراحل تھے۔ جن کے احساس نے نہ صرف دل کو کپکپا دیا، بلکہ جان کا ڈر بھی پیدا کر دیا ——— وہ ڈر جو بالآخر ہجرت کی رات حقیقت بن گیا۔

"اپنے رب کے نام سے پڑھو" کے مختصر الفاظ میں آنے والے سارے مراحل کی تصویر موجود ہے۔ پڑھو، یعنی سناؤ کہ قرآن حضورؐ کے ہاتھ میں آج کی طرح کتابی صورت میں نہ تھا۔ انسانوں کو مخاطب کرو، وہ سناؤ جو تمہارا رب تمہارے منہ میں ڈالے۔ اس کے نام سے سناؤ! گویا اعلان کرو کہ اس کے رسول بن کر آئے ہو۔ اس کی طرف پکارو جو خالق، رب اور علم کا سرچشمہ ہے۔ یک و تنہا کھڑے ہو جانا، خالقِ کائنات کا نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرنا، لوگ سنیں یا نہ سنیں، مانیں یا نہ مانیں تم ہر حال میں صبر کے ساتھ پیغام پہنچاتے رہنا، اندھیروں میں چراغ جلانا۔ یہ وہ کام تھے کہ، ورقہ بن نوفل نہ بھی بتاتے تب بھی حضورؐ کے لیے یہ احساس کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ جان گھلا کر رکھ دینے والے کام ہیں۔ شرک و کفر اور ظلم و فساد کا گھٹا ٹوپ اندھیرا، مکہ اور طائف کے سرداروں کی طرف سے مخالفت و مزاحمت اور عوام الناس کی جہالت ——— غرض کہ کیا تھا جو حضورؐ سے چھپا ہوا ہو سکتا تھا۔

تھوڑے ہی وقفے کے بعد، اللہ تعالے نے کلام کیا تو بات کو کھول دیا:

کھڑے ہو جاؤ، سب کو آگاہ و خبردار کرو، کہ تمہارے رب سے بڑا کوئی نہیں، اس کی کبریائی کا اعلان کرو اور اس کی کبریائی قائم کرو۔ اپنے دامن و دل کو پاک کرو۔ شرک کی ہر گندگی سے دور رہو، اپنے کام کو بہت نہ سمجھو۔ اور اگر لوگ مان کر نہ مانیں تب بھی صبر کے ساتھ کام میں لگے رہو۔ (المدثر ۷۴: ۱-۷)

یہ پُرخطر اور عظیم کام اور قوم کا حال دیکھ کر، اگر حضورؐ کپکپا اٹھے، پسیجے، پریشان ہوئے، فکر مند ہوئے، قوم کی فکر میں بے قرار اور مغموم ہوئے اور چادر میں لپٹنا چاہا، تو یہ بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق تھا۔ اور رحمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اللہ تعالے اپنا دستِ شفقت دراز کرتا، آپؐ کو لطف و محبت سے سہارا دیتا، آپؐ کی اندرونی کیفیات کے لیے علاج تجویز کرتا، اور آپؐ کو آنے والے صبر آزما مراحل کے لیے زادِ راہ عطا فرماتا، چنانچہ سورۂ المزمل

راہِ حق کی پہلی منزل کے لیے روشنی بن کر اتری، اور آپؐ کو وہ سب کچھ عطا کر دیا گیا جو اس منزل میں آپؐ کو درکار تھا۔

زمانۂ نزول :

سورۃ المزمل بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، بعض روایات کے مطابق تیسری یا چوتھی وحی۔ لیکن کلام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی ہوگی جب آپؐ کے پاس اتنا قرآن آچکا ہوگا کہ قیام لیل میں پڑھا جا سکے، جب آپؐ دن بھر دعوت الی اللہ میں مشغول رہتے ہوں گے اور جب اچھی خاصی مخالفت بھی شروع ہو چکی ہوگی۔ گویا یہ دعوت عام اور انذار عام کے دور کا آغاز ہوگا۔

شانِ نزول :

ظاہر ہے کہ اس سورہ کی شانِ نزول حضورؐ خود ہیں۔ آپؐ کی پریشانی، فکر مندی، بے قراری اور غم و اندوہ کی وہ اندرونی اور نفسیاتی کیفیات ہیں جو آپؐ کو کارِ رسالت کرتے ہوئے درپیش تھیں، آپؐ کی وہ ضروریات ہیں جو آپؐ کو یہ کام انجام دینے کے لیے درکار تھیں: غم گساری اور تسلی، سکون اور سہارا، محبت اور لطف و عنایت، دل جمعی اور ثبات، حوصلہ اور ہمت، قوت اور صبر اور خالق اور خالق کے کلام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتصال۔ اس سورہ میں یہی نسخۂ شفا ہے اور یہی زادِ راہ بھی۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورہ کا سببِ نزول کسی نہ کسی درجہ میں ہم اور آپ بھی ہیں۔ اس لیے کہ ہم اور آپ مسلمان ہیں اور ہر اس شخص پر جو امتِ مسلمہ میں شامل ہے شہادت اور دعوت و جہاد کی ذمہ داری اسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح حضورؐ پر عائد تھی ——— اپنے اپنے دائرے میں، اپنی اپنی استطاعت کی حد تک۔ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ، (الحج ۲۲: ۷۸)۔ جو حضورؐ کا پیروکار ہونے کا مدعی ہے، اسے وہ کام

تو سب سے پہلے کرنا ہوگا جو حضورؐ عمر بھر ہر دم کرتے رہے۔

اور اگر کہیں اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت سے آپ کو بحیثیت مسلمان اپنی اس ذمہ داری کا شعور دے دیا ہے اور آپ دعوت و جہاد کے اس راستے پر آ کھڑے ہوئے ہیں جو حضورؐ کا راستہ ہے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سورہ آپ ہی کے لیے اتری ہے، آپ کو مخاطب کر رہی ہے، آپ کی کیفیات و ضروریات اس کی شانِ نزول ہیں۔ اس لیے کہ آپ کو کسی نہ کسی درجے میں وہ اندرونی کیفیات ضرور پیش آئیں گی جو حضورؐ کو پیش آئیں۔ ان کا علاج سورۃ المزمل ہی ہے اور آپ کسی نہ کسی طور پر ان مراحل سے بھی گزریں گے جن سے حضورؐ گزرے۔ ان مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزر جانے کے لیے جو زادِ راہ ناگزیر ہے، وہ بھی سورہ المزمل ہی میں ہے۔

خطابِ دل نواز

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

اے چادر میں لپٹنے والے!

یہ خطاب دل نوازی نہیں، گرہ کشا اور سامانِ سکون و اطمینان بھی ہے اور نسخۂ شفا بھی۔ دل پر بیتنے والی کیفیات کا عکاس بھی، مراحلِ دعوت و جہاد کا نشان بھی، گو ایک لفظ ہی پر مشتمل ہی۔

حضورؐ غارِ حرا سے اتر کے آئے۔ تو پہلے یہی الفاظ زبان پر تھے: زَمِّلُوْنِيْ (مجھے چادر اڑھا دو!) اللہ تعالٰی کا یہ خطاب حضورؐ کے انہی الفاظ پر مبنی ہے۔

لیکن کیوں؟

چادر اہلِ عرب ہی میں نہیں، دنیا جہاں میں ایک معروف اور پسندیدہ

لباس ہے۔ سیدھا سادا، نہ ڈیزائن، نہ کٹائی، نہ سلائی۔ لیکن اہلِ عرب جب کسی سے بہت اپنائیت، پیار، محبت اور لطف و عنایت کا اظہار کرنا چاہتے، تو ان کا طریقہ تھا کہ جس ظاہری حال اور وضع میں مخاطب ہوتا اسی وضع کے حوالے سے خطاب کرتے، جیسے حضورؐ نے حضرت علیؓ کو ابوتراب کہہ کر پکارا۔

حضورؐ گھر سے باہر نکل کر اپنے رب کا کام کرتے تو چادر پہنتے، راتوں کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو چادر لپیٹتے، بیرونی مخالفتیں اور اندرونی کیفیات ہجوم کرتیں تو چادر میں لپٹنا اور چادر کے دامن میں پناہ لینا چاہتے۔ جو حالت بھی ہو، جب رب کی طرف سے لطف و محبت کے حاجت مند ہوتے، چادر ہی اوڑھے ہوتے اور رب نے صرف "اے چادر میں لپٹنے والے" کا پیار بھرا خطاب اسی لیے کیا کہ آپؐ کی جھولی کو لطف و محبت سے بھر دے۔

چادر صرف ظاہری وضع ہی نہیں، چادر میں لپٹنا اندرونی کیفیات کا اظہار بھی ہے۔ جب کام بس سے باہر لگے، جب مشکلات قابو سے باہر ہونے لگیں، جب تنہائی اتنی بڑھ جائے کہ جیسے آدمی اندھیری رات میں اکیلا جاگ رہا ہو اور سب کو اٹھا رہا ہو لیکن نیند کے نشہ میں مدہوش آنکھ کھولنے کو تیار نہ ہوں، جب حق روزِ روشن کی طرح اسے نظر آتا ہو لیکن گرد و پیش کے لوگ اسے جھٹلانے پر تُلے رہیں، تو چادر اوڑھ کر، منہ لپیٹ کر، لیٹ جانے کی زبردست خواہش کا تجربہ کسے نہیں ہوتا؟

حضورؐ کو دعوتِ حق کے عظیم الشان کام میں حزن و غم اور فکرمندی کی کیا کیفیات پیش آتی تھیں؟

لوگ آپؐ کے اللہ کے رسول ہونے کو اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کو جھٹلاتے تھے۔ آپؐ کی کیفیت اس طرح کی ہوتی تھی کہ گویا آپؐ دن کو دن کہہ رہے ہوں، اور سننے یا دیکھنے والے رات کہنے پر مصر ہوں، آپؐ کا دل چاہتا تھا کہ ساری قوم ایمان لے آئے، لیکن لوگ انکار پر تُلے ہوئے تھے۔ آپؐ دیکھتے تھے

کہ قوم پر عذاب منڈلا رہا ہے، لیکن لوگ غافل اور بے پروا تھے۔ یہی نہیں، بلکہ قوم کے سرداروں نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خلاف ظلم و جور کا بازار گرم کر دیا تھا۔ "ایسے حالات میں آپؐ کا متفکر و مغموم رہنا ایک امرِ فطری تھا" اور "فکر و غم کی حالت میں آدمی کی چادر اس کی بہترین غم گسار ہوتی ہے"۔

آپؐ کی ساری کوششوں کے باوجود، جب لوگوں کی دشمنی اور انکار میں اضافہ ہی ہوتا، تو آپؐ کو یہ گمان بھی ہوتا کہ اس میں میری کوتاہی کو دخل نہ ہو، محنت کا حق ادا نہ ہو رہا ہو، حکمت اور اخلاق میں کوئی بات معیارِ مطلوب سے کم تر نہ رہ گئی ہو۔ اسی لیے آپؐ ایک دن میں سو سو بار توبہ استغفار کرتے۔

ان کیفیات میں يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا یہ پیار بھرا خطاب رحمت و شفقت کا ایک جھونکا اور محبت کا ایک پیغام ہے۔ آپؐ کے لیے سکون و طمانیت کا سامان ہے۔ اور آپؐ کے لیے تزکیۂ نفس کی وہ راہ چلنا آسان کرتا ہے جو اللہ کی بندگی اور دعوت و جہاد کی تیاری کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی راہ ہے جسے یہ سورہ آپؐ کے لیے کھولتی ہے۔

قیامِ لیل

فرمایا:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ

رات کو کھڑے رہا کرو (نماز میں) سوائے تھوڑے حصے کے، (یعنی) آدھی رات، یا اس سے کچھ کم کر دو، یا اس سے کچھ زیادہ کر دو۔

رات میں قیام کرو اور نماز پڑھو، یہ اسی راہ کا پہلا قدم ہے۔ یہ پہلی ہدایت ہے اور بڑی اہم ہدایت ہے۔ رات کی نماز ہی سے وہ خوبیاں اور وہ صفات

پیدا ہوسکتی ہیں، جو اللہ کی راہ پر چلنے کے لیے ضروری ہیں، اور جن سے اللہ کی راہ پر چلنا آسان ہوتا ہے۔

ہم آپ مخاطب ہیں :

اسی لیے، اللہ تعالٰے نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی ہے۔ اس کے مخاطب وہ بھی تھے جو آپؐ کی دعوت قبول کر کے آپؐ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس لیے اگرچہ یہ خطاب صرف آپؐ سے ہے اور آپؐ کی ظاہری وضع اور حالت کے حوالے سے ہے، لیکن سورہ کی آخری آیات بتاتی ہیں کہ جو لوگ آپؐ کے ساتھ تھے، وہ بھی، اس ہدایت کی تعمیل میں، رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس لیے اس کے مخاطب وہ سب بھی ہیں جو آپؐ کے بعد آپؐ کی پیروی کریں۔ خاص طور پر وہ جو رسالت کا وہی کام کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہوں جو اللہ تعالٰے نے آپؐ کے بعد آپؐ کی امت کے سپرد کیا ہے۔

چناں چہ اس کے مخاطب ہم اور آپ سب ہیں۔

رات کا قیام کس لیے ہے ؟ یہ قیام کیوں ضروری ہے ؟ اس سے کیا حاصل ہوتا ہے ؟ سب کچھ ابھی قرآن خود ہی آپ کے سامنے کھول دے گا۔

کتنی رات ؟

پہلے یہ دیکھیے کہ کتنی رات قیام کرنے کی ہدایت ہے ؟ الفاظ بتا رہے ہیں کہ آدھی رات۔ لیکن اس سے کم بھی کر سکتے ہیں اور زیادہ بھی۔ مقدار میں یہ سہولت اس لیے ہے کہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھنا ویسے ہی ایک بہت مشکل کام ہے اور سب کے لیے کسی ایک مقدار کی پابندی ممکن نہیں۔ پھر روز آدھی رات کے قیام کی پابندی تو اور بھی مشکل ہے۔ یہ سہولت اس لیے بھی ہے کہ رات کے وقت مقدار کا حساب رکھنا دشوار ہے، خصوصًا جب سو کر اٹھنا ہو۔ لیکن جس کے بس میں ہو، ان الفاظ کے مطابق اس کے لیے آدھی رات کو نماز پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔

انسان کے حالات، ضروریات اور کمزوریوں کے لحاظ سے سہولتیں دینا، حکمتِ دین کا ایک بڑا اہم اصول ہے۔ یہی اصول یہاں واضح ہوتا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مٹھی بھر منتخب لوگ آپؐ کے ساتھ تھے۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ جب امت کا دائرہ وسیع ہونے کا وقت آگیا تو پھر سب کو رات کے قیام کی جگہ دن میں پانچ وقت کی نماز کا حکم دیا گیا اور ان نمازوں کی مقدار اور اوقات بھی مقرر کر دیے گئے۔ آدھی رات کو نماز میں تلاوتِ قرآن کرنے کے بجائے یہ سہولت دے دی گئی کہ " جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، وہ پڑھ لو"۔ مزید رحمت یہ کہ، فجر اور عشا کی باجماعت نمازوں پر پوری رات کے قیام کے اجر کا وعدہ کیا گیا۔

رات میں کس وقت ؟

رات کے کس حصہ میں قیام مطلوب ہے ؟ قرآن کے بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جب آدمی سونے کے بعد اٹھے، وہی وقت زیادہ موزوں ہے، اس لیے کہ آگے اس قیام کو نَاشِئَةَ اللَّيْلِ (رات کو اٹھنا) کہا گیا ہے، یعنی رات کے آخری حصہ میں۔ قرآن نے دوسرے مقامات پر بھی اسی وقت کی نشان دہی کی ہے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝

(الذاریات ۱۷ : ۱۸)

رات میں وہ کم ہی سوتے تھے اور سحر کے وقت وہ استغفار کرتے تھے۔

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ

(بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۸ - ۷۹)

کیوں کہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے نفل ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی بالعموم رات کے آخری حصہ ہی میں قیام کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ شروع رات میں سوتے تھے اور آخر رات میں جاگتے تھے۔ حضرت مسروقؒ کو انہوں نے بتایا کہ آپؐ اس وقت اٹھتے تھے جب مرغ بانگ دیتا تھا (بخاری، مسلم) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ایک رات اپنی خالہ، اور حضورؐ کی بیوی، حضرت میمونہؓ کے پاس ٹھہر گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے تھوڑی دیر اپنی بیوی سے باتیں کیں، پھر سو رہے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ، یا اس سے بھی کچھ کم، باقی رہ گیا تو آپؐ نماز کے لیے اٹھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ بعض اوقات عشا اور فجر کے درمیان (کسی وقت بھی) تہجد پڑھ لیا کرتے تھے۔

(بخاری، مسلم)

انہوں نے یہ بھی کہا کہ "اللہ آپؐ کو جب چاہتا" بیدار کرتا"۔

حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ حضورؐ نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھے ہیں: شروع رات میں، درمیان اور آخر میں۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپؐ رات کو بار بار اٹھ کر بھی نماز پڑھتے تھے۔ یعنی، اٹھتے، نماز پڑھتے، پھر سو رہتے، پھر اٹھتے اور نماز پڑھتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے دیکھا کہ آپؐ اٹھے، مسواک کی، وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپؐ لیٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ تین بار آپؐ نے ایسا کیا۔ اور کُل چھ رکعتیں پڑھیں۔ (مسلم)

حضرت زید بن خالدؓ نے بھی حضورؐ کو اسی طریقے سے بارہ رکعت پڑھتے دیکھا۔ (مسلم، مالک، ابو داؤد)

حضرت حمیدؒ ایک سفر میں اسی طرح پڑھنے کی روایت کرتے ہیں۔

(نسائی)

بہتر تو آدھی رات کے بعد ہی کا وقت ہے۔ لیکن امت کی سہولت کی خاطر، اپنی اپنی استطاعت کے مطابق، کسی بھی وقت پڑھنے کی گنجائش حضورؐ نے دی ہے۔

تلاوتِ قرآن

رات کا قیام کس لیے ؟

فرمایا :

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ

اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو !

قرآن کے لیے ! اگرچہ نماز میں رکوع و سجود اور تکبیر و تسبیح سب شامل ہیں، مگر قیام لیل کا اصل مقصود یہی ہے۔ قرآن کی صحبت میں رات کے پُرسکون لمحات گزارنے کے لیے، قرآن میں ڈوبنے کے لیے، قرآن سے زبان کو تر رکھنے کے لیے، قرآن کو دل و دماغ کی غذا بنانے کے لیے، اور قرآن کو اسی کے حضور حاضر ہو کر پڑھنے اور سننے کے لیے جس نے قرآن دیا ہے، جس کا وہ کلام ہے۔

قرآن کیوں ؟

تبلیغ و رسالت کا بوجھ قرآن ہی کو پہنچانے کا بوجھ ہے، شہادتِ حق کی ذمہ داری قرآن ہی پر گواہی کی ذمہ داری ہے، اقامتِ دین کی منزل قرآن ہی کو قائم کرنے کی منزل ہے۔ جس کو ان میں سے کوئی بھی کام، کسی درجے میں بھی کرنا ہو، اس کو سب سے پہلے قرآن کو جاننا سمجھنا چاہیئے اس سے قریب ہونا چاہیے اور اپنے دل کو اس کا مسکن بنانا چاہیے۔ یہ مقام رات کی تنہائی اور سکون میں،

اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر، آیاتِ قرآنی کی تلاوت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جو شخص دعوت و جہاد کا مدعی ہو لیکن وہ قرآن آشنا نہ ہو، اس کے پاس قرآن ہی کے لیے وقت نہ ہو، وہ ان عظیم کاموں کو کیسے صحیح انجام دے سکتا ہے۔ ان کی حقیقت سے کیسے آشنا ہو سکتا ہے، ان کو اپنے دل میں جگہ کیسے دے سکتا ہے، ان کے لیے وقت کیسے نکال سکتا ہے!

یہ بات قرآن ہی آپ کو بتائے گا کہ اس کا پیغام اور دعوت کیا ہے۔ اس کے احکام کیا ہیں، اس کی راہ پر چلنے کے طریقے کیا ہیں؟ قرآن ہی اللہ اور اس کے رسول ؐ کو، اور ان پر ایمان اور اس کے تقاضوں کو، آپ کے لیے سب سے بڑھ کر محبوب بنائے گا، انہیں دل کے اندر اتارے گا اور راسخ کر دے گا، آپ کے دل میں بسا دے گا، کفر، فسق اور نافرمانی کو آپ کے لیے تلخ و ناگوار بنا دے گا۔ قرآن ہی آپ کے لیے عمل اور جدوجہد کی راہیں کھولے گا اور اس کے لیے استعداد بھی پیدا کرے گا۔ قرآن تو ہے ہی اوّل تا آخر عمل کی دعوت۔ کلامی و فقہی بحث سے قطع نظر، ایمان کی دعوت بھی عمل ہی کی دعوت ہے۔ عمل کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے، ایمان بالغیب کی ضرورت ہے، بنیادوں کی ضرورت ہے، منزل بہ منزل عمارت تعمیر کرنے کی ضرورت ہے، یہ ساری ضرورتیں بھی قرآن ہی پوری کرے گا۔ قرآن آپ میں عزم و ارادہ پیدا کرے گا۔ اور ہمت و حوصلہ بڑھائے گا۔

قرآن ہی آپ کو ہدایتِ الٰہی کی تبلیغ اور اقامتِ دین کی راہ بتائے گا۔ اس کے مراحل و منازل سے آگاہ کرے گا، اس کی حدود و نشانات واضح کرے گا اور ان تدابیر کی نشان دہی بھی کرے گا جن سے آپ، اس کے بتائے ہوئے طریقِ انقلاب پر چلتے ہوئے، اصولوں کی حدود میں اپنی منزل کی طرف پیش رفت کر سکیں۔ قرآن کا اپنا طریقِ دعوت و تبلیغ، اسلوب بیان، طرزِ استدلال آپ کا سب سے بڑا رہنما بن جائے گا۔ صحیح اور غلط کے درمیان فرق و تمیز کرنے کے لیے وہ آپ کے دل میں اور

نگاہوں کے سامنے فرقان کی میزان آویزاں کر دے گا۔

قرآن ہی آپ کو تسلی دے گا، آپ کا سہارا بنے گا، آپ کا غمگسار ہوگا، حزن و غم کا مداوا بنے گا، خوف کو دور کرے گا، مشکلات ہوں گی تو دست گیری کرے گا، الجھنیں ہوں گی تو صاف کرے گا، افکار و آلام کا مداوا کرے گا۔ وہ آپ کے سفر کا ساتھی (صاحب فی السفر) ہوگا۔ دل کا اطمینان بن کر ساتھ ساتھ رہے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط بے شک اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ قرآن سے بڑھ کر اللہ کی یاد کا سامان اور کہاں ہے!

ترتیل سے تلاوت:

ہدایت ہے کہ قرآن کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرو۔ ترتیل کے معنی "راغب اصفہانیؒ" کے نزدیک "سہولت اور تناسب کے حسن کے ساتھ کلمات کو ادا کرنا ہے"۔ ہمارے مترجمینِ قرآنِ مجید کے نزدیک ترتیل کے معنی ہیں، خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں (سید مودودیؒ) کھول کھول کر صاف پڑھیں (شیخ الہندؒ) خوب صاف صاف پڑھیں کہ ایک ایک حرف الگ الگ ہو (مولانا تھانویؒ) قرطبی کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن میں جلدی نہ کریں بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں، اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر کریں۔

ترتیل کی پوری تصویر لغت اور تفسیر سے نہیں بنتی۔ اس مقصد کے لیے صاحبِ قرآن ؐ کی ترتیل کو دیکھیے تو بات پوری طرح سمجھ میں آئے گی، تصویر بھی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں رات کی نماز میں حضور ؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ میں نے آپؐ کی قرأت کا انداز یہ دیکھا کہ جہاں تسبیح کا موقع آتا وہاں تسبیح فرماتے، جہاں دعا کا موقع آتا وہاں دعا مانگتے، جہاں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا موقع آتا وہاں پناہ مانگتے۔ (مسلم، نسائی)

حضرت عوفؓ بن مالک کہتے ہیں: ایک رات میں رسول اللہ ؐ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا۔ آپؐ نے سورہ البقرہ اس طرح پڑھی کہ آپؐ کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے

تو ٹھیر کر مانگتے تھے، عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر پناہ طلب کرتے۔ (ابوداؤد، نسائی)

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ حضورؐ کی قرأت کا طریقہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ آپؐ کھینچ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ پھر انہوں نے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اس طرح پڑھ کر بتایا کہ اللّٰہ کو کھینچا، الرحمٰن کو کھینچا، الرحیم کو کھینچا۔ (بخاری)

حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا، رسول اللّٰہؐ قرأت میں ایک ایک حصہ الگ پڑھتے تھے۔ الحمد للّٰہ رب العٰلمین پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے، پھر ٹھہر جاتے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللّٰہؐ نے قیام لیل کیا اور صبح تک یہی آیت بار بار پڑھتے رہے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط اگر آپ انہیں عذاب دیں تو یہ آپ ہی کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ کو ہر چیز کا اختیار ہے اور آپ حکیم ہیں۔ (نسائی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ: نبیؐ رات کو قرآن پڑھتے تھے تو آواز کبھی بلند ہوتی تھی اور کبھی پست۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللّٰہ بن مسعودؓ نے کہا: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔ قرآن دل میں اترتا اور اس میں جم جاتا تو فائدہ بھی دیتا۔

جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: یہ مسنون ہے کہ قرآن کو پڑھتے وقت اس کے معانی سمجھو، اور اس کے مطالب پر غور کرتے جاؤ۔ تلاوتِ قرآن کا مقصد یہی ہے۔ اسی سے دلوں میں نور اور سرور پیدا ہوتا ہے۔

ترتیل کے معنی یہ ہوئے کہ زبان سے جو لفظ نکلے، دل میں اس کے معنی پر غور کرو۔ ہر آیت کا مطلب سمجھو۔ احکام اور ممانعتوں کے بارے میں سوچو کہ ان کو ماننا ہے، اور ماضی میں جو گناہ ہوئے ہوں ان کی معذرت خواہی کر کے معافی مانگو۔ کوئی رحمت کی آیت آئے

تو خوش ہو اور اللّٰہ سے وہ رحمت طلب کرو۔ کوئی عذاب کی آیت آئے تو ڈرو اور اس عذاب سے اللّٰہ کی پناہ مانگو۔ اللّٰہ کی صفات کا ذکر آئے تو اس کی تسبیح کرو۔ دعا کا موقع آئے تو عاجزی کے ساتھ اپنی حاجتیں اللّٰہ سے مانگو۔

ترتیل کی ہدایت کی تعمیل میں، قیام لیل میں، حضورؐ کی تلاوتِ قرآن کی کیفیت یہی تھی۔ ہمارے بس میں کہاں کہ اس معیار پر پہنچ سکیں، ہمیشہ توجہ اور دل سے پڑھ سکیں، لیکن ترتیل کی یہ تصویر نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے۔ اس کی آرزو دل میں ہونا چاہیے۔ اس کے حصول کی جستجو کرنا چاہیے، اپنی قرأت پر راضی اور فارغ نہ ہونا چاہیے۔

آگے قیام لیل کے حکم کی علت اور مصلحت کا بیان ہے۔

قولِ ثقیل کی ذمہ داری

رات کی نماز میں تلاوتِ قرآن کس لیے؟

فرمایا:

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ط

اس لیے کہ ہم آپؐ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔

یہ بھاری بات (قولِ ثقیل) کیا ہے؟

اللّٰہ کا کلام خود قولِ ثقیل ہے۔ ظاہری اعتبار سے بھی اور معنوی اعتبار سے بھی حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ بھی اس کا بوجھ محسوس کرتے اور آپؐ کے گرد و پیش کی دنیا بھی۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: میں نے سخت سردی کے زمانے حضورؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے۔ آپؐ کی پیشانی سے اس وقت پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے پوچھنے پر بتایا کہ بعض اوقات جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ (احمد)

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہؐ پر وحی اس حالت میں نازل ہوئی کہ آپؐ اپنا زانو میرے زانو پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے زانو پر اس وقت ایسا بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا اب ٹوٹ جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے: جب کبھی آپؐ پر اس حالت میں وحی نازل ہوتی تھی کہ آپؐ اونٹنی پر بیٹھے ہوں، تو اونٹنی اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیتی تھی اور اس وقت تک حرکت نہ کر سکتی تھی جب تک وحی کا نزول ختم نہ ہو جاتا۔ (احمد، حاکم)

وحی کا اترنا خود تو بوجھ تھا ہی، اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اور اس کے احکام کو بجا لانا کہیں زیادہ بڑا اور اصل بوجھ تھا۔ قرآن کو بھاری کلام اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا، اس کی تعلیم کا نمونہ بن کر دکھانا، اس کی دعوت کو لے کر ساری دنیا کے مقابلے میں اٹھنا اور اس کے مطابق عقائد و افکار، اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن کے پورے نظام میں انقلاب برپا کر دینا ایک ایسا کام ہے جس سے بڑھ کر کسی بھاری کام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ (سید مودودیؒ، تفہیم القرآن، ج ۶، ص ۱۲۷)

نزول وحی کا سب سے زیادہ بنیادی اور ناگزیر تقاضا، تبلیغ و دعوت عام اور انذار عام کا کام تھا۔ وحی کو محفوظ رکھنے، پھر دوسروں تک پہنچانے میں تکلیفیں اٹھانے کے لحاظ سے بھی یہ سب سے زیادہ بھاری کام تھا۔ اس میں محنت بھی تھی، آزمائش بھی اور ذمہ داری بھی۔ کسی سے منوا لینا آپؐ کے اختیار میں نہیں تھا، لیکن دیگر انبیاءؑ و رسلؑ کی طرح آپؐ سب تک بہترین طریقے سے اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے منصب پر فائز تھے اور اس کے لیے مکلف اور مسؤل بھی۔ آپؐ کا یہ فرض تھا کہ سب کے انکار، مسلسل انکار، اور ہر قسم کی مزاحمت و مخالفت کے باوجود اللہ کا پیغام پہنچانے کا اور اتمام حجت کا حق ادا کریں۔ اس سے زیادہ بھاری ذمہ داری کیا ہو سکتی تھی۔ کلام الٰہی

میں اس ذمہ داری کا تذکرہ بھی آپؐ سنتے، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اس کے لیے آپؐ نے جان توڑ محنت کی، دل شکن حالات اور صبر آزما مظالم کے باوجود کی۔ اس کے لیے آپؐ کو ہر قسم کی ایذائیں دی گئیں، اسی کام کی وجہ سے آپؐ کو فکر و پریشانی رہتی تھی، حزن و غم میں مبتلا رہتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ قیام لیل کو شاق نہ سمجھنا۔ ہم تو اس سے بھی بھاری بھاری کام تم سے لینے والے ہیں۔

اس بھاری بوجھ کو اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے کے لیے قیام لیل کا حکم دیا گیا ہے۔

قیامِ لیل اور کارِ رسالت

فرمایا:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا

بے شک رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر ہے اور قرآن پڑھنے کے لیے بہت موزوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نَاشِئَةَ الَّيْلِ کے معنی رات کو سونے کے بعد نماز کے لیے اٹھنے کے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے نَاشِئَةَ الَّيْلِ (رات میں اٹھنے) کے لیے تہجد کا لفظ ہو گیا۔ تہجد کے لفظی معنی بھی رات کو سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنے کے ہیں۔

وَطْاً کے معنی روندنے اور کچلنے کے آتے ہیں۔ یعنی نفس کو روندنے اور کچلنے میں، اسے قابو میں رکھنے اور ناجائز خواہشات پر اڑنے سے روکنے میں، رات کی نماز بڑی کارگر ہوتی ہے۔

اسی مادہ سے دوسرا لفظ وِطَاءً ہے۔ اس کے معنی موافقت کے ہیں۔ حضرت

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رات کے وقت کان اور دل میں زیادہ موافقت ہوتی ہے۔ حضرت ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رات کے وقت اٹھنا دل، نگاہ، زبان، سب میں موافقت پیدا کرنے میں بڑا کارگر ہے۔

مطلب ہے کہ رات کا وقت سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت شور و شغب نہیں ہوتا، توجہ کو کھینچنے والے مناظر ہوتے ہیں نہ آوازیں اور دیگر مشاغل۔ آدمی اپنے دل کی دھڑکن تک سن سکتا ہے۔ اس وقت جو الفاظ تمہاری زبان سے نکلیں گے، اپنے کان بھی اسے سنیں گے اور دل بھی حاضر ہوگا اور تلاوتِ قرآن کا مقصد یعنی ذکر و نصیحت حاصل ہوگا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ "اس میں یاد دہانی، سوچنے اور عبرت کا سامان ہے، اس کے لیے جس کے پاس دلِ بیدار کی دولت ہے، جو کان لگا کر سنے۔ ق۵۰:۳۷

اسی لیے دوسری بات ارشاد فرمائی کہ:

وَاَقْوَمُ قِیْلًا "اس کے لغوی معنی ہیں کہ رات کو نماز کے لیے اٹھنا، زبان سے نکلنے والے الفاظ کو زیادہ راست اور درست بناتا ہے۔ یعنی اس وقت قرآن کو زیادہ اطمینان و سکون اور توجہ کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھ سکتے ہو۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ: "وہ وقت اس کے لیے موزوں ہے کہ آدمی قرآن میں غور و فکر کرے اور اسے سمجھے" (ابوداؤد)

گویا رات کو تہجد کی نماز میں دل اور زبان ایک ہو جاتے ہیں۔ قرآن کے جو الفاظ زبان سے نکلتے ہیں، دل سے نکلتے ہیں اور دل میں اتر جاتے ہیں۔ اس انداز میں تلاوتِ قرآن، خود بھی نفس کو زیر کرنے کے لیے، نفس پر قابو پانے کے لیے نفس کے تزکیے کے لیے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

لیکن آپ غور کریں تو رات میں اٹھنا اور نماز پڑھنا، یہ فعل اپنی جگہ پر بھی اس مقصد کے لیے انتہائی کارگر ہے۔ میٹھی میٹھی نیند سے اُٹھ جانا، نرم نرم بستر چھوڑ دینا وضو کر کے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جانا، دیر تک کھڑے رہنا، تنہا جاگنا

اور کھڑے رہنا، ایسے وقت میں جب گرد و پیش سب انسان سو رہے ہوں اور کائنات کی ہر چیز تاریکی میں ملبوس، محوِ خواب نظر آتی ہو ـــــ اور روز رات کو یہی عمل دہرانا، اس سے زیادہ کارگر نسخہ نفس کو زیر کرنے کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ عمل ہر رات نفس کو ہر قسم کے مشکل حالات میں، تمام رغبتوں اور خواہشوں کو قربان کر کے، اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے، اس کے حکم کی تعمیل کے لیے کھڑے ہو جانے اور اس کے حکم کی تعمیل میں لگ جانے کی تربیت دیتا ہے۔ ؎

بے اشکِ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل

دعوت اور قیام لیل کی مماثلت:

مزید غور کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ رات کے وقت نماز کے لیے اٹھنے اور کھڑے ہونے اور دن میں دعوت و انذار اور جہاد کے لیے اٹھنے اور کھڑے ہونے میں گہری مماثلت ہے۔ دونوں اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کے اعمال ہیں، ایک ہی قسم کا انسان مانگتے ہیں۔ گویا قم اللیل (رات کو کھڑے رہو) اور قم فانذر (کھڑے ہو جاؤ اور آگاہ و خبردار کرو) ایک حکم کے دو پہلو ہیں۔

قیام لیل کا حکم مطالبہ کرتا ہے کہ آپ نیند جیسی میٹھی اور لذیذ اور ہوش و حواس پر چھا جانے والی چیز اور نرم نرم بستر کا آرام چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ دعوت و جہاد کا کام بھی، رات کی نماز کی طرح، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ آپ اپنے رب کی پکار پر لبیک کہیں اور اس کا کام کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ وہ کام ہے: وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ... لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا اس کے جہاد کا حق ہے ـــــ تاکہ تم تمام انسانوں کے سامنے (حق کی) گواہی دو۔ اس کام کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ دنیوی زندگی میں رغبت اور مشغولیت کو، جو نیند کی طرح مرغوب ہے اور اس کے آرام کو، جو بستر کی طرح محبوب ہے، قربان کر کے دعوت کا کام کریں۔

رات کی نماز کی طرح، دعوت کا کام بھی یہ تقاضا کرتا ہے کہ آپ ایسے وقت میں کھڑے ہوں جب گمراہی کا اندھیرا، رات کی طرح، چھایا ہوا ہو، جب کہیں روشنی نظر نہ آتی ہو۔ ایسے وقت میں بھی کھڑے ہوں جب آپ تنہا یہ کام کرنے والے ہوں، ساتھی اور مددگار نہ ہوں، جب کوئی سن کر نہ دے، رات دن اور ہر طرح پکارنے کے باوجود کوئی نہ جاگے۔ صَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں۔ ایسے وقت بھی کھڑے رہیں جب یہ پتا نہ چلتا ہو کہ قبولیت اور کامیابی کب حاصل ہوگی، نصرت کب آئے گی، فتح کب نصیب ہوگی، گویا صبح کب طلوع ہوگی۔

حضورؐ جب غارِ حرا سے اتر کر تشریف لائے اور قُمْ فَاَنْذِرْ کی تعمیل میں پوری طرح لگ گئے تو آپؐ کی کیفیت بالکل یہی تھی۔ اس لیے ایسے حالات میں آپؐ میں قولِ ثقیل کا بوجھ اٹھانے کی استعداد پیدا کرنے کے لیے، اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے قوت، ہمت اور حوصلہ پیدا کرنے کے لیے، اس بوجھ کو اپنے رب کی ہدایات کے مطابق اٹھانے کے لیے، قم اللیل (رات کی نماز) کے نسخہ سے زیادہ کارگر اور موثر نسخہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

محبت کا نسخہ:

ایک بات اور ہے، رات کا قیام محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ محبت کی علامت بھی ہے، محبت کو پیدا کرنے اور بڑھانے کا کارگر نسخہ بھی۔ آخر آپ میں سے کون محبت کی اِن علامات و کیفیات کا تجربہ نہیں رکھتا یا ان سے ناواقف ہے کہ جب آدمی کو محبت ہو جاتی ہے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، بستر پر تارے گنتے رات گزر جاتی ہے۔ یہی وقت ہے کہ وہ محبوب کی گلی کا رُخ کرتا ہے اس کے گھر کے چکر لگاتا ہے اور اس کے در پر دستک دیتا ہے۔ یہی وقت محبوب سے قربت کی خواہش اور تلاش کا ہے، اس سے راز و نیاز اور سرگوشیوں (مناجات) کا وقت ہے، ہجر و مفارقت میں نالہ نیم شبی اور آہ سحر گہی کا وقت ہے۔

ابوسعید ابوالخیرؒ نے ایک رباعی میں اس بات کو کیا خوب ادا کیا ہے۔ ؎

شب خیز کہ عاشقاں بہ شب راز کنند
گرد در و بام دوست پرواز کنند
ہر جا کہ درے بود بہ شب در بندند
الّا در دوست را کہ بہ شب باز کنند

رات کو اٹھو کہ عاشق رات ہی کو راز و نیاز کرتے ہیں۔
(رات ہی کو) دوست کے در و بام کے گرد چکر لگاتے ہیں، ہر جگہ جہاں دروازہ ہوتا ہے، رات کو بند کر دیتے ہیں، سوائے درِ دوست کے، کہ وہ اسے رات کو کھولتے ہیں۔

اللہ سے محبت ہو جاتی ہے تو اس کا خوف ساتھ ساتھ آتا ہے۔ محبت بڑھتی ہے تو خوف بھی بڑھتا ہے۔ محبت کا حق ادا کرنے میں کسی کوتاہی کا خوف، محبوب کی ناراضی کا خوف، محبوب کی توجہ سے محروم ہو جانے کا خوف، اس کے نگاہ پھیر لینے کا خوف، (وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ) اس کے بات نہ کرنے کا خوف (وَلَا يُكَلِّمُهُمْ) خوف، محبت کے ساتھ مل کر ایمان کے نشہ کو دو آتشہ کر دیتا ہے۔ اسی لیے رات کا قیام، محبت و اُمید اور طمع اور خوف سے عبارت ہے اور دنیا میں محبوب کی محبت میں اپنے نفس و مال کو خرچ کرنا اور لٹانا رات کے قیام کی تفسیر ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ

(کیا اس شخص کی روش بہتر ہے) یا اس شخص کی جو مطیع فرمان ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے؛

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ